بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پچھلی اشاعت میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ معاشرے کی اصلاح اور اسلامی نظام زندگی کی تعمیر کا جو کام لب در پیش ہے اس کے لیے کن صفات کے حامل افراد درکار ہیں اور اُن افراد کی اجتماعی تنظیم میں کن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں اب تک جن امور کا ذکر کیا گیا ہے ان کی حیثیت دراصل محض ابتدائی اور بنیادی اوصاف کی ہے۔ جس طرح ایک کاروبار کی ابتدا کرنے کے لیے ایک کم سے کم سرمایہ درکار ہوتا ہے جس کے بغیر اسے شروع ہی نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح اِس کام کے لیے یہ کم سے کم اخلاقی سرمایہ ہے جو آغاز کار ہی میں موجود ہونا چاہیے، ورنہ اس کا حوصلہ کرنا ہی فضول ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے افراد کے ہاتھوں کسی اسلامی نظام کے قیام کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا جو اسلام کو جانتے ہی نہ ہوں، یا اس کے بارے میں خود اپنے اندر ہی قلبی اطمینان اور ذہنی یکسوئی نہ رکھتے ہوں، یا اس کو خود اپنے اخلاق و کردار اور اپنی عملی زندگی کا دین بنانے سے قاصر ہوں، یا اس کے قیام کی سعی کو انہوں نے اپنا مقصود ہی نہ ٹھیرایا ہو۔ اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر مطلوبہ اوصاف کے افراد جمع تو ہو جائیں مگر ان کے دل باہم جُڑے ہوئے نہ ہوں، ان میں تعاون اور نظم و ضبط نہ ہو، اُن کو مل کر کام کرنے کا ڈھنگ نہ آتا ہو، اور وہ باہمی مشورہ و تنقید کے صحیح طریقوں سے نابلد ہوں، تو محض ان کا جمع ہو جانا کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ وہ چار انفرادی اور چار اجتماعی اوصاف، جن کا ذکر ہم نے اب تک کیا ہے، درحقیقت اس کام کا سرمایۂ آغاز ہیں اور ان کی جو کچھ بھی اہمیت ہے اسی لحاظ سے ہے۔ لیکن یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ اس کام کے فروغ اور اس کی کامیابی کے لیے بس یہی اخلاقی و روحانی سرمایہ کافی ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ مزید اوصاف کونسے ہیں جو اصلاح و تعمیر کے مقصد میں کامیاب ہونے

کے لیے ضروری ہیں۔

ان میں سے اولین وصف تعلق باللہ و اخلاص للہ ہے۔ دنیا کے دوسرے سب کام تو نفس یا خاندان یا قبیلے یا قوم و وطن کی خاطر کیے جا سکتے ہیں، ذاتی اغراض اور مادّی مقاصد کی ساری آلائشوں کے ساتھ کیے جا سکتے ہیں، خدا پرستی ہی نہیں انکارِ خدا تک کے ساتھ کیے جا سکتے ہیں، اور ان میں ہر طرح کی دنیوی کامیابیاں ممکن ہیں لیکن اسلامی نظامِ زندگی کا برپا کرنا ایک ایسا کام ہے جس میں کوئی کامیابی اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک آدمی کا تعلق اللہ کے ساتھ صحیح اور مضبوط اور گہرا نہ ہو، اور اس کی نیت خالصتہً اللہ ہی کے لیے کام کرنے کی نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جس چیز کو آدمی قائم کرنا چاہتا ہے وہ اللہ کا دین ہے، اور اسے قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی سب کچھ اُس خدا کے لیے کرے جس کا یہ دین ہے۔ اسی کی رضا اس کام میں مطلوب ہونی چاہیے اسی کی محبت اس کے لیے واحد محرک ہونی چاہیے۔ اسی کی تائید و نصرت پر کلی اعتماد ہونا چاہیے۔ اسی سے اجر کی ساری امیدیں وابستہ ہونی چاہئیں۔ اسی کی ہدایات اور اسی کے امر و نہی کا اس میں اتباع ہونا چاہیے۔ اور اسی کی پکڑ کا خوف دل پر چھایا رہنا چاہیے۔ اس کے سوا جس خوف اور جس لالچ اور جس محبت اور جس اتباع و اطاعت کی آمیزش بھی ہوگی، اور جو دوسری غرض بھی اس کام میں شامل ہو جائے گی وہ راہِ راست سے قدم ہٹا دے گی اور اس کے نتیجے میں اور جو کچھ بھی قائم ہو جائے، بہر حال اللہ کا دین قائم نہ ہو سکے گا۔

اسی سے قریب تر تعلق رکھنے والا دوسرا وصف فکرِ آخرت ہے۔ مومن کے کام کرنے کی جگہ اگرچہ دنیا ہے اور جو کچھ اسے کرنا ہے یہیں کرنا ہے، مگر وہ کام اس دنیا کے لیے نہیں کرتا بلکہ آخرت کے لیے کرتا ہے اور اس کا مطمح نظر دنیوی نتائج نہیں بلکہ اُخروی نتائج ہوتے ہیں۔ اسے ہر وہ کام کرنا چاہیے جو آخرت میں نافع ہے اور ہر اس مشغلے سے دستکش ہو جانا چاہیے جس کا وہاں کوئی حاصل نہیں نکلتا ہے۔ اسے ہر اس فائدے کو ٹھکرا دینا چاہیے جو آخرت میں نقصان کا موجب ہو اور ہر اس نقصان کو انگیز کر لینا چاہیے جو آخرت میں نفع بخش ہو۔ اسے فکر صرف آخرت کے عذاب و ثواب کی ہونی چاہیے؛ دنیا کے کسی عذاب و ثواب کی کوئی اہمیت اس کی نگاہ میں

نہ ہونی چاہیے۔ اس کی کوششیں اس دنیا میں بار آور ہوں یا نہ ہوں، یہاں اسے کامیابی ہوتی نظر آئے یا ناکامی، یہاں اس کی تعریف ہو یا مذمت، یہاں وہ انعام پائے یا آزمائشوں میں ڈالا جائے، ہر حال میں اس کو اس یقین کے ساتھ کام کرنا چاہیے کہ جس خدا کے لیے وہ یہ ساری محنتیں کر رہا ہے اس کی نگاہ سے کچھ پوشیدہ نہیں ہے، اور اس کے ہاں وہ آخرت کی ابدی جزا سے وہ ہرگز محروم نہ رہے گا، اور وہیں کی کامیابی اصل کامیابی ہے۔ اس ذہنیت کے بغیر آدمی کے لیے چند قدم بھی اس راہ میں صحیح رُخ پر چلنا ممکن نہیں ہے۔ دنیا کی مقصودیت کا لگاؤ کسی ادنیٰ درجے میں بھی اس کے ساتھ لگا رہ جائے تو وہ قدم قدم میں لغزش پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ راہِ خدا میں ایک چوٹ نہیں تو دو چار چوٹیں آخرکار اُس شخص کی ہمتیں توڑ دیتی ہیں جو دنیوی کامیابیوں کو مقصود بنا کر چلتا ہے۔ اور اس راہ کی کوئی کامیابی کسی نہ کسی مرحلے پر اُس آدمی کے رویّے میں بگاڑ پیدا کر دیتی ہے جس کے دل کو دنیوی مقاصد کی کوئی چاٹ لگی ہوئی ہو۔

ان دو اوصاف کی تاثیر کو جو چیز عملاً ایک زبردست قوتِ تسخیر میں تبدیل کر دیتی ہے وہ حسنِ سیرت ہے۔ خدا کی راہ میں کام کرنے والے لوگوں کو عالی ظرف اور فراخ حوصلہ ہونا چاہیے، ہمدردِ خلائق اور خیر خواہِ انسانیت ہونا چاہیے، کریم النفس اور شریف الطبع ہونا چاہیے، خوددار اور خوگرِ قناعت ہونا چاہیے، متواضع اور منکسر المزاج ہونا چاہیے، شیریں کلام اور نرم خو ہونا چاہیے۔ وہ ایسے لوگ ہونے چاہئیں جن سے کسی کو شر کا اندیشہ نہ ہو اور ہر ایک ان سے خیر ہی کا متوقع ہو۔ جو اپنے حق سے کم پر راضی ہوں اور دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینے پر تیار رہیں۔ جو برائی کا جواب بھلائی سے دیں، یا کم از کم برائی سے نہ دیں۔ جو اپنے عیوب کے معترف اور دوسروں کی بھلائیوں کے قدر داں ہوں۔ جو اتنا بڑا دل رکھتے ہوں کہ لوگوں کی کمزوریوں سے چشم پوشی کر سکیں، قصوروں کو معاف کر سکیں، زیادتیوں سے درگزر کر سکیں، اور اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہ لیں۔ جو خدمت لے کر نہیں خدمت کر کے خوش ہوتے ہوں، اپنی غرض کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کی بھلائی کے لیے کام کریں، ہر تعریف سے بے نیاز اور ہر مذمت سے بے پروا ہو کر اپنا فرض انجام دیں اور خدا کے سوا کسی کے اجر پر نگاہ نہ رکھیں۔ جو طاقت سے دبائے نہ جا سکیں، دولت سے خریدے نہ جا سکیں، مگر حق اور راستی کے آگے بے تامل

سر جھکادیں۔ جن کے دشمن بھی ان پر یہ بھروسہ رکھتے ہوں کہ کسی حال میں ان سے شرافت و دیانت اور انصاف کے خلاف کوئی حرکت سرزد نہیں ہو سکتی۔ یہ دلوں کو موہ لینے والے اخلاق ہیں۔ ان کی کاٹ تلوار کی کاٹ سے بڑھ کر اور ان کا سرمایہ سیم و زر کی دولت سے گراں تر ہے۔ کسی فرد کو یہ اخلاق میسر ہوں تو وہ اپنے گردوپیش کی آبادی کو مسخر کر لیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی جماعت ان اوصاف سے متصف ہو اور پھر وہ کسی مقصدِ عظیم کے لیے منظم سعی بھی کر رہی ہو تو ملک کے ملک اس کے آگے مسخر ہوتے چلے جاتے ہیں، حتیٰ کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

اس کے ساتھ ایک اور صفت بھی ہے جسے کامیابی کی کلید کہنا چاہیے، اور وہ ہے صبر۔ یہ ایک وسیع لفظ ہے جس کے بہت سے مفہومات ہیں اور راہِ خدا میں کام کرنے والوں کو ان میں سے ہر مفہوم کے لحاظ سے صابر ہونا چاہیے۔

صبر کا ایک مفہوم یہ ہے کہ آدمی جلد باز نہ ہو۔ اپنی کوششوں کے نتائج فوراً اور جلدی دیکھ لینے کے لیے بیتاب نہ ہو اور دیر لگتے دیکھ کر ہمت نہ ہار جائے۔ صابر آدمی کی خوبی یہ ہے کہ وہ تمام عمر ایک مقصد کے پیچھے مسلسل محنت کیے چلا جاتا ہے، اور پیہم ناکامیوں کے باوجود اپنے کام میں لگا رہتا ہے۔ اصلاحِ خلق اور تعمیرِ حیات کا کام ایسا صبر آزما ہے کہ اس صفت کے بغیر کوئی شخص اس سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔ یہ بہرحال ہتھیلی پر سرسوں جمانا نہیں ہے۔

صبر کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آدمی تلون اور ضعفِ رائے اور قلتِ عزم کی بیماری میں مبتلا نہ ہو۔ اس میں یہ صفت موجود ہو کہ جس راہ کو اس نے سوچ سمجھ کر اختیار کر لیا ہے اس پر ثابت قدم رہے، اور دل کے پورے عزم اور ارادے کی پوری قوت کے ساتھ اس پر بڑھتا چلا جائے۔

صبر کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ آدمی مشکلات اور مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرے اور اپنے مقصد کی راہ میں جو تکلیف بھی پیش آجائے اسے ٹھنڈے دل کے ساتھ برداشت کرے۔ صابر آدمی کسی طوفان اور کسی سیلاب کے تھپیڑوں سے شکست خوردہ ہو کر منہ نہیں موڑتا۔

صبر کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ آدمی زود رنج اور مشتعل مزاج نہ ہو بلکہ متحمل اور بردبار ہو۔

جس شخص کو اصلاح و تعمیر کا کام کرنا ہو اور جسے تعمیر کے لیے کچھ نہ کچھ ناگزیر تخریب بھی کرنی پڑے، خصوصیت کے ساتھ جبکہ یہ خدمت اسے مدتوں کی بگڑی ہوئی سوسائٹی میں انجام دینی ہو، اسے لامحالہ بڑی گندی اور گھناؤنی اور کمینہ قسم کی مخالفتوں سے سابقہ پیش آکر رہتا ہے۔ اگر وہ اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ گالیاں کھا کر ہنس دے، طعنے سن کر ٹال دے، الزام اور بہتان اور جھوٹے پروپیگنڈے کو یکسر نظر انداز کر کے پورے سکون و جمعیت خاطر کے ساتھ اپنا کام کرتا رہے، تو بہتر یہی ہے کہ وہ اس راہ میں قدم ہی نہ رکھے۔ اس لیے کہ یہ کانٹوں بھری راہ ہے۔ اس کا ہر کانٹا یہ عزم کیے بیٹھا ہے کہ آدمی اور جس طرف بھی جائے چلا جائے مگر اس سمت میں اسے ایک انچ بھی نہ بڑھنے دیا جائے گا۔ اس حالت میں جو شخص ہر کانٹے سے الجھنے لگے وہ کیا پیش قدمی کرے گا۔ یہاں تو ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جن کے دامن سے اگر کوئی کانٹا الجھ جائے تو وہ دامن کا وہ حصہ پھاڑ کر اس کے حوالے کر دیں اور ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی راہ کھوٹی نہ کریں۔ یہ صبر صرف مخالفوں ہی کے مقابلے میں درکار نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات اس راہ کے راہ رو کو خود اپنے ساتھیوں سے بھی تلخ و ناگوار باتوں سے سابقہ پیش آجاتا ہے اور ان کے معاملہ میں اگر وہ حلم و تحمل سے کام نہ لے تو پورے قافلے کی راہ مار سکتا ہے۔

صبر اس چیز کا نام بھی ہے کہ آدمی ہر خوف اور ہر لالچ کے مقابلے میں راہ راست پر جما رہے۔ شیطان کی ساری ترغیبات اور نفس کی تمام خواہشات کے علی الرغم اپنا فرض بجا لائے، حرام سے پرہیز کرے اور حدود اللہ پر قائم رہے۔ گناہ کی ساری لذتوں اور منفعتوں کو ٹھکرا دے اور نیکی و راستی کے ہر نقصان اور اس کی بدولت حاصل ہونے والی ہر محرومی کو انگیز کر جائے۔ اپنی آنکھوں سے دنیا پرستوں کی رونق حیات دیکھے اور اس پر ریجھنا تو درکنار دل میں ادنیٰ سی حسرت تک کو راہ نہ دے۔ اپنے سامنے دنیا طلبی کی راہیں کشادہ اور کامرانیوں کے مواقع موجود پائے اور دل کی پوری طمانیت کے ساتھ اس متاع حیات پر راضی رہے جو اپنے مقصد کی خدمت کرتے ہوئے وہ اپنے رب کے فضل سے حاصل کر رہا ہو۔

صبر ان تمام معنوں میں کلید کامیابی ہے جس پہلو سے بھی ہمارے کام میں بے صبری کا دخل ہو گا، اس کا بُرا نتیجہ ظاہر ہو کر رہے گا۔

ان سب اوصاف کے ساتھ ایک نہایت اہم وصف حکمت ہے جس پر بہت بڑی حد تک کامیابی کا انحصار ہے۔ دنیا میں جو نظامِ زندگی بھی قائم ہیں اُن کو اعلیٰ درجے کے ذہین اور ہوشیار لوگ چلا رہے ہیں اور ان کی پشت پر مادی وسائل کے ساتھ عقلی و فکری طاقتیں اور علمی و فنی قوتیں کام کر رہی ہیں۔ ان کے مقابلے میں ایک دوسرے نظام کو قائم کر دینا اور کامیابی کے ساتھ چلا لینا کھٹی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ بسم اللہ کے گنبد میں رہنے والوں کے کرنے کا کام نہیں ہے۔ سادہ لوح لوگ خواہ کتنے ہی نیک اور نیک نیت ہوں، اس سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔ اس کے لیے گہری بصیرت اور تدبر کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے دانشمندی اور معاملہ فہمی درکار ہے۔ اس کام کو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو موقع شناس اور باتدبیر ہوں، اور زندگی کے مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ "حکمت" ان سب اوصاف کے لیے ایک جامع لفظ ہے اور اس کا اطلاق دانائی و زیرکی کے متعدد مظاہر پر ہوتا ہے۔

یہ حکمت ہے کہ آدمی انسانی نفسیات کی سمجھ رکھتا ہو اور انسانوں سے معاملہ کرنا جانتا ہو۔ لوگوں کے اذہان کو اپنی دعوت سے متاثر کرنے اور ان کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے کے طریقوں سے واقف ہو۔ ہر شخص کو ایک ہی لگی بندھی دوا نہ دیتا چلا جائے بلکہ ہر ایک کے مزاج اور مرض کی صحیح تشخیص کر کے علاج کرے۔ سب کو ایک لکڑی نہ ہانکے بلکہ جن جن اشخاص اور طبقوں اور گروہوں سے اس کو سابقہ پیش آئے ان کے مخصوص حالات کو سمجھ کر ان کے ساتھ معاملہ کرے۔

یہ بھی حکمت ہے کہ آدمی اپنے کام کو اور اس کے کرنے کے طریقوں کو جانتا ہو اور اس کے راستے میں پیش آنے والی دشواریوں، مخالفتوں اور مزاحمتوں سے نمٹنا بھی اس کو آتا ہو۔ اسے ٹھیک ٹھیک معلوم ہونا چاہیے کہ جس مقصد کے لیے وہ سعی کرنے اٹھا ہے اس کے لیے اسے کیا کچھ کرنا ہے، کس کس طرح کرنا ہے، اور کس کس قسم کی رکاوٹوں کو کس طرح دفع کرنا ہے۔

یہ بھی حکمت ہی ہے کہ آدمی وقت کے حالات پر نظر رکھتا ہو، مواقع کو سمجھتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ کس موقع پر کیا تدبیر کی جانی چاہیے۔ حالات کو سمجھے بغیر اندھا دھند قدم اٹھا دینا، بے موقع کام کرنا اور موقع پر چوک جانا، معقل لوگوں کا کام ہے اور ایسے لوگ خواہ کتنے ہی پاکیزہ مقصد کے لیے کتنی ہی نیکی و نیک نیتی کے ساتھ

کام کر رہے ہوں، کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اور ان سب حکمتوں سے بڑھ کر راس الحکمت یہ ہے کہ آدمی دین میں تفقّہ اور معاملات دنیا میں بصیرت رکھتا ہو۔ محض احکام اور مسائل شریعت سے واقف ہونا اور انہیں پیش آمدہ حوادث پر چسپاں کر دینا منصب افتاء کے لیے تو کافی ہو سکتا ہے، مگر بگڑے ہوئے معاشرے کو درست کرنے، اور نظام زندگی کو جاہلیت کی بنیادوں سے اکھاڑ کر دین کی بنیادوں پر از سر نو قائم کرنے کے لیے کافی نہیں ہو سکتا۔ اس مقصد کے لیے تو ضروری ہے کہ آدمی جزئیاتِ احکام کے ساتھ کلیاتِ احکام، بلکہ پورے نظام دین پر نظر رکھتا ہو، پھر احکام کے ساتھ اُن کی حکمت کا بھی اسے علم ہو، اور وقت کے اُن حالات و مسائل کو بھی وہ سمجھتا ہو جن میں ان احکام کو رائج کرنا مطلوب ہو۔

مطلوبہ اوصاف کے اس مرقع کو دیکھ کر بادی النظر میں ایک آدمی ہول کھا جاتا ہے اور یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ یہ کام تو پھر کاملین کے کرنے کا ہے، عام انسان کہاں سے اتنے وصف لے کر آسکتے ہیں۔ اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ہر صفت کا ہر شخص میں بدرجۂ کمال پایا جانا لازم نہیں ہے، اور نہ یہی لازم ہے کہ کسی میں وہ پہلے ہی قدم پر اپنی پوری تربیت یافتہ شکل میں موجود ہو۔ ہمارا مقصود ان باتوں کو بیان کرنے سے صرف یہ بات ذہن نشین کرنا ہے کہ جو لوگ اس کام کو کرنے کے لیے اٹھیں وہ محض خدمتِ قوم کا ایک کام سمجھ کر یونہی کھڑے نہ ہو جائیں، بلکہ اپنے نفس کا جائزہ لے کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ اس کام کے لیے جو اوصاف مطلوب ہیں ان کا مادہ اُن کے اندر موجود ہے یا نہیں۔ بس مادہ اگر موجود ہے تو آغاز کار کے لیے کافی ہے۔ اس کو پرورش کرنا اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق زیادہ سے زیادہ ممکن حد تک ترقی دینا بعد کے مراحل سے تعلق رکھتا ہے۔ جس طرح ایک ذرا سا بیج زمین میں جڑ پکڑنے کے بعد آہستہ آہستہ غذا پا کر تناور درخت بن جاتا ہے لیکن بیج ہی موجود نہ ہو تو کچھ بھی نہیں بن سکتا، اسی طرح صفاتِ مطلوبہ کا مادہ آدمی میں موجود ہو تو مناسب سعی و کوشش سے وہ بتدریج کمال تک پہنچ سکتا ہے مگر سرے سے مادہ ہی موجود نہ ہو تو کسی سعی اور تربیت سے اس کا پیدا ہو جانا ممکن نہیں ہے۔